© rasailojaraid.com

اصول دعوتِ اسلام

(۴)

از جناب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند

عفو و درگذر | پھر اس راستہ میں ایک صبر ہی درکار نہیں کہ مبلغ ان ایذا رسانیوں کا تحمل کر کے چپکا ہو رہے بلکہ اسے ایک قدم آگے بڑھکر ان شرارتوں کو معاف بھی کر دینا چاہیے کہ اسی سے مخاطب انجام کار ہموار ہو جائیں گے اور انہی کے آثار سے اس کی شفقت پہچانی جائیگی۔ اسی لئے حضور کو حکم دیا گیا تھا۔

فاعف عنہم واستغفر لہم — آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے

ایک جگہ ارشاد ہوا۔

فاصفح الصفح الجمیل — آپ ان سے اچھے طریقہ پر در گذر فرمائیے۔

پھر نہ صرف معاف کر دینے پر قناعت کا حکم ہوا بلکہ مبلغ کی خوبی یہ ہے کہ ان برائی کرنے والوں کے ساتھ بھلائی کرے اور احسان و حسنِ سلوک سے پیش آئے جیسا کہ احادیث میں ان اخلاق کو اعلیٰ کیرکٹر کے سلسلہ میں شمار کرتے ہوئے اولوالعزمی کا نشان بتلایا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

صل من قطعك واعف عمن ظلمك واحسن الی من اساء الیك — جو لوگ تم سے بدمعاملگی کریں تم ان کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا برتاؤ کرو۔ اپنے ظالموں کو معاف کر دو۔ اور جو تم سے برا سلوک کریں تم ان سے احسان کرو

بہر حال مخاطبوں کی گستاخیوں کو جھیلنا بلکہ انھیں معاف کر دینا بلکہ اور الٹا اُن پر احسان کرنا مبلغ کے خاص تبلیغی اخلاق ہونے چاہئیں کہ ان کے بغیر تبلیغ میں پائیداری اور تاثیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان خاص اوصاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ مبلغ کے ذاتی کیرکیٹر اور منصبِ تبلیغ میں خاص دخل تھا اس لئے قرآن مجید نے صریح عبارت میں بھی ان اوصاف کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ فرمایا

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصَّابِرِیْنَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی دو جتنی کہ تم کو دی گئی ہے لیکن اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔ اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا صرف اللہ کی وجہ سے ہوگا اور ان لوگوں کا نہ غم کیجئے اور نہ تنگدل ہوجیے ان کے مکروں کی وجہ سے بے شبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو محسن ہیں۔

پس آیت کے اس آخری حصہ نے مبلغ کے ان اخلاق کے تمام اصولی مدارج واضح فرمادیئے جن کا تعلق مخاطبوں کی تربیت و تعلیم سے فعلاً قائم ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مبلغ میں جذبۂ انتقام جوش و غضب، شدت و غلظت، حملہ آوری، نبرد آزمائی، مقابلہ و معارضہ اور ٹکرا جانے سے بہتر یہی ہے کہ وہ مخاطبوں کی نالائقیوں کے باوجود اپنے حزن و ملال کو پی کر ضیق اور کڑھن سے ہٹ کر اور ان کے مکر و فریب سے قطع نظر کرکے صبر و تحمل عفو درگذر تقویٰ و طہارت اور احسان و سلوک کو اختیار کرے اور اس کا خیال رکھے کہ ان اوصاف حمیدہ کے ہوتے ہوئے خدا اس کے ساتھ ہے۔

مبلغ کے اضافی اوصاف

یہاں تک آیت سے ان اوصاف کے اثبات کی تقریریں کی گئی ہیں جو مبلغ کی ذاتی اصلاح سے متعلق تھے گو فعلِ تبلیغ کی تاثیر اور پائیداری ان پر موقوف تھی کیونکہ ان کے بغیر مبلغ کا ذاتی کیرکیٹر قائم نہ ہوتا تھا کہ وہ مسندِ تبلیغ پر آسکے۔ اب یہاں سے ان اوصاف و آداب پر غور کیجئے جن کا اولین تعلق فعل تبلیغ سے ہے گو وہ بھی مبلغ ہی کے اوصاف ہیں مگر عملی طور پر ان کا ایک عملی سرا مدعو اور مخاطب سے بھی جا ملتا ہے گویا پہلے اوصاف مبلغ کے ذاتی تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ اضافی ہیں، یا پہلے صلاحی تھے اور یہ اصلاحی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ سابقہ اوصاف کا تعلق مبلغ کے ذاتی صلاح و رشد سے تھا اور ان ذیل کے اوصاف کا تعلق اس کی تعلیم و ہدایت سے ہے۔ پس مبلغ کا پہلا اضافی وصف تعلیم و ارشاد کے ساتھ شانِ تربیت ہونا چاہیئے جس کے ماتحت وہ اپنے مخاطبوں میں آہستہ آہستہ تدریجی رفتار سے ایک خاص رنگ پیدا کر کے انھیں حدِ کمال پر پہنچائے۔

شانِ تربیت | تربیت کے معنی کسی چیز کو رفتہ رفتہ اس کی حدِ کمال پر پہنچانے کے ہیں جیسے درخت کو ایک کونپل سے بتدریج تنا ور درخت بنا دینا یا انسان کو آہستہ آہستہ پال پوس کر بچہ سے ایک بڑا انسان کر دینا تربیت اور پرورش کہلائیگا۔ پس جس طرح ماں باپ ایک بچہ کے جسم کو اسبابِ حسیہ یعنی غذا کے ذریعہ بتدریج شباب کے کمال تک پہنچا دیتے ہیں اور اس پہنچے ہوئے کو بالغ کہدیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک مبلغ و داعی اور معلم خیر انسان کی روح اور روحانی قویٰ کو اسبابِ معنویہ یعنی علم و کمال کے ذریعہ بتدریج روحانی کمال تک پہنچانے میں اپنی ہمت صرف کرتا ہے اور جب وہ پہنچا دیگا اسے واصل کہیں گے۔ پس اس شانِ تربیت کے ماتحت مبلغ کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے مخاطبوں کو اُن کے ذہنی ارتقار کی حد تک علمِ الٰہی سے نشو و نما دیتا رہے اور جتنی جتنی ان کی ذہنیتیں مستعد ہوتی رہیں وہ اسی کے مطابق اپنی تعلیم کو بھی اونچا کرتا رہے۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ اپنی تعلیم و تربیت کی لائن پر اول چھوٹے چھوٹے اور آسان مسائل سے تربیت شروع کرے جنھیں ان کا ابتدائی ذوق قبول کر سکے اور بعد میں مہمات مسائل اور اصول و کلیات پر لائے اگر وہ اس وطیرہ طبعی پر چلے گا تو شرعی زبان میں اس کا لقب ربانی ہوگا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ربانی کی تفسیر ہی کی ہے کہ وہ اپنے مستفیدوں کو بتدریج چھوٹے مسائل پر لگا کر بڑے مسائل تک لائے نہ یہ کہ ابتداء ہی اونچے اونچے مضامین بیان کر کے گویا مخاطبوں کو بلا زینہ بام رفیع پر پہنچانے کی سعی کرے ابنِ عباسؓ ربانی کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

الذی یربی الناس بصغار العلم ثم بکبارھا۔ (بخاری)	جو لوگوں کی تربیت پہلے چھوٹے علم سے اور پھر بعد میں بڑے علم سے کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیتِ دعوت میں مبلغوں کی اس شانِ تربیت کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ فرمایا گیا ہے اور وہ یہ کہ یہاں اسلام کو سبیل رب سے تعبیر فرماکر اس سبیل کو اللہ کی صفتِ ربوبیت کی طرف منسوب فرمایا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ تدریجاً کمال تک پہنچانے والے کے راستہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ اور یہ اصول مسلمہ اہلِ عقل اور اہلِ بلاغت ہے کہ اس قسم کے مواقع پر ایسی اضافتوں میں مرکب اضافی کے آخر کلمہ کا وصف اول کلمہ میں باور کرانا ملحوظِ خاطر ہوتا ہے۔ مثلاً کسی غضبناک کو جو غیظ و غضب میں بھڑک رہا ہو یوں تنبیہ کی جائے کہ اے بندۂ رحمٰن کیا کر رہا ہے؟ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رحمت والے کا بندہ ہو کر یہ غیظ و غضب؟ تجھے تو رحمت کا پیکر ہونا چاہیے تھا یا کسی شخص کو جہالت کی حرکات کرتے دیکھکر کہا جائے کہ اے عالم کے بیٹے کیا کرتا ہے؟ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تجھے تو علم سے نسبت تھی پھر یہ جہالت کیسی؟ اگر نسبت و اضافہ سے یہ فائدہ حاصل نہ ہو تو یہ مرکب اضافی محض لغو اور فضول ہو جائے جس سے بلغار کا کلام بری ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب مبلغوں اور داعیانِ دین کو خطاب کیا گیا کہ ربوبیت والے کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس راہ میں ربوبیت و تربیت کی شان پیدا کرو یعنی آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ ان کے قلوب و ارواح کو حدِ کمال تک پہنچاؤ۔

ظاہر ہے کہ اگر سبیل کی اضافت رب کی طرف ہونے کے باوجود ابلاغ سبیل میں یہ وصف تربیت ملحوظ نہ رکھا جائے تو یہ اضافہ محض لغو اور بے فائدہ ہو جائے گا حالانکہ ایسی لغویت سے تو معمولی متکلموں کا کلام بھی بری ہوتا ہے چہ جائیکہ رب العلمین کا کلام اعجاز النظام! پس داعی دین کے لئے محض پیام رسانی کافی نہیں ہو سکتی بلکہ اُسے اپنے مخاطبوں کے حق میں مربی اور مشفق ہونا چاہیے جس سے بتدریج وہ روحانی نشو ونما پائیں اور ایک خاص رنگ سے رنگے جائیں۔

تدریج و تیسیر پھر تربیت کے معنی ہی چونکہ کسی چیز کو آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ حدِ کمال پر پہنچانے کے ہیں اس لئے تربیت کے ماتحت سب سے پہلا مقام تدریج و تیسیر ہے کہ طالبانِ حق کو رفتہ رفتہ مطلوبہ نقطہ تک پہنچایا جائے جس میں مخاطبوں کی سہولت اور ان کی رفتارِ قبولیت کی رعایت بھی پیشِ نظر ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجزیۂ پروگرام | جس کی پہلی صورت پروگرام کا تجزیہ ہے یعنی مکمل پروگرام کے حصّے اور اجزاء الگ الگ کرکے تبلیغ میں وہ اجزاء مقدم کیے جائیں جن کا ماننا مخاطب پر زیادہ شاق نہ ہو اور وہ کسی حد تک اس حصہ سے مانوس ہو کیونکہ کیونکہ اگر سارے احکام کی نامانوس اور بوجھل گٹھری اک دم اس پر لاد دی جائے تو وہ اول وہلہ ہی میں اس سے وحشت زدہ ہوکر پورا بوجھ اپنے سر سے ایک دم اتار پھینکے گا اور تبلیغ رائیگاں چلی جائے گی۔

مثلاً حضورؐ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا گورنر اور قاضی بنا کر بھیجا تو تبلیغی سلسلہ میں اسی تجزیۂ پروگرام اور ترتیبِ طبعی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں وہاں نصاریٰ کی قوم ملیگی انھیں دین کی دعوت اس طرح دینا کہ اوّل ان کے سامنے کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ پیش کرنا جب وہ اسے قبول کرلیں تو پھر کہنا کہ نماز کا بھی ایک فریضہ تم پر عائد ہوتا ہے جب اُسے بھی مان لیں تو کہنا کہ تمہارے مالوں میں تم پر زکوٰۃ کا بھی ایک فریضہ آتا ہے جب وہ اسے بھی تسلیم کرلیں تو پھر روزہ کی تلقین کرنا وعلیٰ ہذا القیاس تجزیۂ پروگرام کا یہ مربیانہ اسلوب اس لئے اختیار کیا گیا کہ غیر مانوس طبیعتیں نہ ابتداءً ہی غیر مذہب کے سارے پروگرام سے مانوس ہوسکتی ہیں اور نہ اعتقاداً اور عملاً اس کا تحمل کرسکتی ہیں بلکہ بتدریج ہی ان میں استعداد قبول پیدا ہوسکتی ہے۔ اگر اُن کی ابتدائی ناقص استعداد اور ناتمام انس کی حالت میں انتہائی احکام تک کا مکمل بوجھ ان پر ڈالدیا جائے تو وہ اچٹ کر سرے سے سارے ہی پروگرام سے بیزار ہوجائیں گے اور اس طرح ہدایت سے ہمیشہ کے لئے محروم رہیں گے۔

قرآنِ کریم نے اہلِ کتاب کو تبلیغی خطاب کرتے ہوئے اسی تدریج وتیسیر کی تائید کی اور اسلامی پروگرام میں اعتقادات اور ان میں سے بھی توحیدِ عبادت کو یہ کہکر مقدم رکھا ہے کہ اس اعتقاد پر آجانا اہلِ کتاب پر بھاری نہیں ہے جبکہ وہ پہلے سے بھی اس دعوائے توحید سے گریز کئے ہوئے نہیں ہیں۔ فرمایا

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی — آپ فرما دیجئے کہ اے اہلِ کتاب تم اُس کلمہ کی طرف آؤ

کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ — جو ہم میں اور تم میں برابر ہے اور وہ یہ کہ ہم سوائے خدا کے

اِلَّا اللہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ — کسی اور کی عبادت نہ کریں گے اور نہ کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک کرینگے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانے لگتا تھا صلح اور جنگ ملنا اور قطع ہونا سب اصول فطرت کے مطابق ہو جاتا تھا غرض اسلامی اخلاق و اعمال کے ہمہ گیر بن جانے کے لئے اس تبلیغ کی بدولت فضا ہموار ہو جاتی تھی اور دلوں میں اسلامیت کی تخم ریزی سے فتنے خود بخود سست پڑ جاتے تھے۔

میری غرض یہ ہے کہ اسلامی قانون اور شرعی سیاست اپنی ذات سے معقول دلپذیر امن خیز اور مظالم شکن سہی لیکن اس کے لئے اسی کے مناسب فضار اور ماحول کی بھی تو ضرورت ہے جو اسے دلچسپ اور دلپذیر بنائے اور وہ ماحول بغیر اس حقانی تبلیغ اور دعوت وارشاد کے پیدا نہیں ہو سکتا جو عرض کردہ قرآنی اصول پر مبنی ہو اس لئے اس نظام تبلیغ کو چھوڑ کر اسلامی دیانت وسیاست دونوں کے لئے زمین ہموار کر لینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اگر بغیر اس ارشادی نظام کے اسلامی حکومت کا کوئی ڈھچر قائم بھی کر لیا جائے تو وہ محض اسمی اور رسمی ہو گا جس میں نہ کوئی جذب وکشش ہو گی نہ پائیداری اور پختگی اور اگر کسی حد تک ہوئی بھی تو پھر اس سے لادینی کی فضا ہموار ہوتی رہیگی جو انجام کار خود اسلامی مقاصد ہی کے لئے مخرب ثابت ہو گی۔ اس لئے دیانت ہی کے حق میں نہیں سیاست اسلامی کے حق میں بھی یہ تبلیغ وارشاد ایک روح حیات کی حیثیت رکھتی ہے۔

آج امت کا سب سے شدید مرض اور عظیم فتنہ یہی ترک تبلیغ اور ترک امر بالمعروف ہے جس نے اس کے ہر ایک نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے جب کسی خاطی اور مجرم کو اپنے جرم وخطا پر مطلع ہونے کی صورت ہی نہ رہے اور کسی کی طرف سے کسی کو روک ٹوک کرنے کا راستہ ہی کھلا ہوا نہ ہو گویا مریض کو خود اپنے مرض کی خبر ہو نہ دوسرے کی طرف سے تنبیہ کی صورت ہو تو ظاہر ہے پھر ازالۂ مرض کی صورت ہی کیا ہو سکتی ہے اور قوم کس طرح پنپ سکتی ہے؟

افسوس ہے کہ آج نہ امت کے عوام ہی اس پر کاربند ہیں نہ خواص وبا اقتداری۔ آج کسی تاریخی حوالہ سے یہ نہیں بتلایا جا سکتا کہ زمانہ حال کی ٹرکی، ایران۔ افغانستان۔ حجاز۔ مصر، عراق وغیرہ کی حکومتیں اسلام کے پھیلانے اسلامی تعلیمات کو رائج کرنے اور شعائر اسلام کو زندہ کرنے میں اپنی طاقتوں کا کل حصہ نہیں کم از کم اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عشرِ عشیر ہی صرف کر رہی ہوں جتنا ان ممالک کی تمدنی ضروریات کے نام پر یورپین ممالک کی نقل اتارنے میں صرف کر رہی ہیں۔ نہیں بلکہ میری معلومات کی حد تک آج کی اسلامی دولتوں کا ملکی نظام نہ صرف یہی کہ ترویج اسلام کا معین نہیں بلکہ اس کی راہ میں ایک مستقل رکاوٹ اور تبلیغ حق کے لئے ایک محکم سنگِ راہ ثابت ہو رہا ہے اور انتہا یہ ہے کہ اس طرزِ عمل کو اعلانوں اور دعاوی کے ذریعہ فخریہ طور پر شائع بھی کیا جا رہا ہے جو اس رکاوٹ اور تخریبِ مذہب پر گویا باضابطہ مہر کر دیتا ہے۔

مثلاً کسی اسلامی دولت کا یہ اعلان کہ "سلطنت کا بحیثیتِ حکومت کوئی مذہب نہیں" یا بادشاہ کا بحیثیت حکمراں ہونے کے اسلام مذہب نہیں ہے" اسلام کی جڑوں کے لئے پانی ثابت ہو سکتا ہے یا تیشہ؟ اور کیا ایسے اعلانات کے ہوتے ہوئے کسی اسلامی سلطنت سے ترویج اسلام کی توقع بجا طور پر باندھی جا سکتی ہے؟ ان حالات میں اگر توقع ہو سکتی ہے تو لامذہبی اور لادینی کی اشاعت کی نہ کہ اسلام کی ترویج اور دین کی تبلیغ کی کیونکہ ان اعلانات کے مطابق جب سلطنت کا کوئی مذہب ہی نہ ہو گویا لامذہبی اس کا مذہب ہو تو اس لامذہبی کے مذہب ہی کو اس سے فروغ بھی ہو سکتا ہے جس کا آج کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔

اس قسم کے اعلانات کی بڑی وجہ غیر مسلم رعایا سے رواداری اور اپنی بے تعصبی بتلائی جاتی ہے لیکن میں عرض کروں گا کہ اگر حقیقتاً غیر مسلموں کی دل شکنی کی خاطر اسلام کی تبلیغ ترک کی گئی تھی تو کم از کم مسلمان رعایا کی خاطر غیر اسلامی تہذیب و کلچر، غیر اسلامی تعلیم و تربیت اور ان غیر اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت بھی ترک کرنی چاہئے تھی جو براہِ راست اسلام کے حق میں ضرب کاری اور تیشہ ثابت ہو رہے ہیں یا اگر تبلیغ و اشاعت کے میدان میں ان غیر اسلامی امور کے لئے جگہ نکالی گئی تھی تاکہ غیر مسلم رعایا مطمئن ہو سکے تو کم از کم اسی درجہ میں اسلامی علوم و فنون اور اسلامی شعائر و ذخائر کی تبلیغ کے لئے بھی جگہ نکالی جانی چاہئے تھی تاکہ مسلم رعایا بھی مطمئن ہو سکتی۔ لیکن حسرتناک بات یہ ہے کہ ان اعلانات رواداری کے ماتحت اگر ترک کی گئی ہے تو صرف اسلامی تبلیغ اور پورے زور کے ساتھ اگر جاری ہے تو صرف انہی مقاصد کی علمی و عملی ترویج جو اسلام کی تخریب کے لئے وضع کئے گئے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج ان اسلامی رقبوں کی یونیورسٹیاں ان کے کالج اسکول اور تمام ابتدائی اور انتہائی مدارس کروڑہا روپیہ صرف کرکے انہی دہریانہ اور مخرب اسلام وایمان تعلیمات کی ترویج میں مصروف ہیں جن کے ہوتے ہوئے قلوب میں اسلام اور ایمانی کردار کو پاؤں جمانے کا بھی موقع نہیں مل سکتا۔ بلکہ دل ودماغ اس حد تک ماؤف اور مسخ ہوجائیں کہ یہ اسلامی اخلاق اور ایمانیات ہی ان کے نزدیک انسانیت کی تباہی کا ذریعہ محسوس ہونے لگیں۔

پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ انہی یونیورسٹیوں اور کالجوں کو اسلامی درسگاہیں اور ان کی تعلیمی جدوجہد کو اسلامی تعلیمات باور کرانے کی کوشش بھی کی جارہی ہے گویا جو ہمارا مرض ہے اسی کو ہم پال بھی رہے ہیں اور پھر اپنی خوش فہمی سے اسی کو اپنی صحت بھی سمجھ رہے ہیں۔ غرض اعلان ہے غیر جانبداری کا اور عمل ہے کفر کی جانبداری کا اس لئے مسلمانوں کے دل اگر ایک طرف اپنی بے بسی اور بے شوکتی یعنی اغیار کی تسلطہ شوکتوں سے خون تھے تو دوسری جانب اپنی شوکتوں اور اقتدار وں نے بھی ان کے دلوں کو مجروح کرنے میں کوتاہی نہیں کی وہ غریب بن کر بھی پامال ہوئے اور غنی ہوکر بھی مارے گئے اور اسلامی طبقات کی غربت اور امارت دونوں ہی نے ملکر اسلام کی تخریب کے وہ سامان بہم پہنچائے کہ دشمنانِ اسلام کو ہاتھ پیر ہلانے کی بھی زیادہ ضرورت نہ رہی۔ ع

سعدی از دست خویشتن فریاد

یہ ممکن ہے کہ ان ممالک کے غریب اور بے سروسامان مسلمانوں نے شخصی یا اجتماعی طور پر تبلیغی مقاصد پر کوئی توجہ کی ہو لیکن دولتی اور سلطنتی طور پر کسی تبلیغی جدوجہد یا اسلامی شعائر کو بلند رکھنے کا ان خطوں میں کوئی نشان نہیں ملتا۔ ان حالات میں ان ممالک کو اسلامی ممالک کہنے کے بجائے مسلم ممالک کہا جانا ہی کسی حد تک درست ہوسکتا ہے اور وہ بھی بحیثیتِ مذہب نہیں بلکہ بحیثیت قوم اور قومیت بھی ہمہ گیر نہیں بلکہ وطنی اور جغرافیائی حیثیت کی۔ اس لئے یہ مسلم ممالک اپنے اپنے وطن کی خدمت ضرور کر رہے ہیں مگر اسلام کی خدمت سے اسے کوئی تعلق نہیں یہی حالت غلام ممالک کے بے خبر مسلمانوں کی بھی ہے جن کے نزدیک ان یورپ کے پھیلائے ہوئے جذبات وطنیت اور قومیت کا صبح شام نام لے لینا اور اسے ہی اسلام کی منادی سمجھنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم دولتوں کی اس مرعوبیت اور عوام کی اس ذہنی غلامی کو دیکھکر جس طرح معاندین دول اسلامیہ شاداں و فرحاں ہیں اسی طرح حامیان دول رنجور و اشکبار ہیں مگر ان کی آواز اس قدر کمزور کر دی گئی ہے کہ وہ امراء کے ایوانوں تک پہنچ نہیں سکتی اس لئے وہ اپنی بے بسی اور بے کسی پر دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔

زندہ ہے ملت بیضا رغربا کے دم سے　　　　امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے

غربا ہی سے اسلام کو توقع ہے۔ وہی اس کی حقیقی اور سچی خدمت کرتے آئے ہیں اور کر رہے ہیں انہی کو آج بھی دین کی حفاظت اور اسلام کی اشاعت پر کمربستہ ہوکر فریضۂ تبلیغ کو سنبھال لینا چاہیے اور انہی آداب و شروط سے اس وظیفہ کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیے جو آیت دعوت سے اس مختصر رسالہ میں پیش کئے گئے ہیں

اگر اسلامی مبلغ آیت دعوت کے پیش کردہ اصولِ دعوتِ اسلام پر حسب ذیل تدابیر کے ماتحت کمربستہ ہوں تو امید ہے کہ ان کی تبلیغ پختہ اور دور رس اثرات پیدا کر سکیگی۔ اور پروگرام یہ ہونا چاہئے۔

(۱) پہلے تبلیغی مراکز قائم کرلئے جائیں جہاں سے مبلغین اٹھکر اطراف میں دورے کریں اور ان مراکز کو اپنے مستقر (ہیڈکوارٹر) کی حیثیت سے استعمال کریں اور پھر ان کا ایک مرکز المراکز ہو جو منظور شدہ ہدایات و قوانین کے ماتحت مراکز کو آگاہ کرتا رہے اور ساتھ ہی مبلغین کی خدمات کا جائزہ بھی لیتا رہے۔

(۲) آج چونکہ انفرادیت کا دور ختم ہوکر اجتماعیت کا رنگ غالب آتا چلا جا رہا ہے اور ہر کام جماعتی رنگ ہی میں پیش ہوکر موثر بھی ہوتا ہے اس لئے ان مراکز سے تبلیغی دورے جماعتی طور پر ہونے چاہئیں۔ ایک شخص نہ جائے بلکہ جماعتیں ملکر نکلیں جیسا کہ سابقہ اوراق میں اس کا شرعی ثبوت پیش کیا جا چکا ہے۔

(۳) ان جماعتوں میں کچھ نہ کچھ افراد ایسے بااثر اور بااقتدار شامل کرنے کی پوری سعی کی جائے جو اپنے منصب یا عہدہ کی حیثیت سے قلوب میں باعظمت ہوں کہ اس سے تبلیغ کے اثرات جلد سے جلد بھی نمایاں ہوں گے۔ مؤثر اور پائیدار بھی ثابت ہوں گے اور ساتھ ہی ان میں ایک وسعت اور ہمہ گیری بھی پیدا ہو جائیگی۔

(۴) جس مقام پر مبلغین کی یہ جماعت پہنچے آغازِ تبلیغ سے پہلے اس کی سعی ہونی چاہئے کہ وہ مقامی بااثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعضنا بعضاً اربابًا من دون اللہ　　اور نہ خدا کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو رب بنائے گا۔

بہرحال شانِ تربیت کے تقاضے کے ماتحت تجزیہ پروگرام ایک امر طبعی ہے جس کے بغیر تبلیغ کارگر نہیں ہو سکتی۔

تجزیۂ مسائل | بلکہ اسی شانِ تربیت کے ماتحت محض تجزیہ پروگرام ہی نہیں بلکہ گاہ گاہ تجزیہ مسائل کی بھی نوبت آجاتی ہے یعنی ایک ہی مسئلہ کی تحلیل کر کے اس کے چند حصے کر دئیے جائیں اور ایک ایک حصے کی تبلیغ حسب استعداد مخاطب بتدریج کی جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اہلِ عرب کو جب شراب سے روکنا چاہا جو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی تو اکدم شراب کو حرام نہیں فرمایا بلکہ پہلے حکم میں شراب کی کچھ برائی بیان کی گئی اور وہ بھی لوگوں کے سوال کرنے پر جب اس سے لوگوں میں شراب سے بچنے کی فی الجملہ استعداد پیدا ہو چلی تو ایک قدم آگے بڑھکر نماز کے اوقات میں شراب سے روکا گیا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ　　اے ایمان والو! تم جب نشہ میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ

وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون　　یہاں تک کہ تم اسے جانو جسے تم کہو۔

اور جب اس حکمِ ثانی سے وہ عملاً شراب سے رکنے پر قادر ہونے لگے تو پھر دوسرا قدم اور آگے بڑھا کر صفائی سے شراب کی حرمت اور نجاستِ عین ہونے کا حکم ان الفاظ میں دیدیا گیا کہ

رجسٌ من عمل الشیطان فاجتنبوہ　　ناپاک ہے اور شیطان کا عمل ہے تم اس سے بچو۔

اس کے بعد دلوں میں سے شراب کی محبت جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع فرمادیا گیا جو شراب کے لئے جام و سبو کا حکم رکھتے تھے یعنی حنتم (کوزہ سبز) دبار (خشک کدو) نقیر (کاویدہ چوب جام) مُزَفَّت (روغنی پیالہ) وغیرہ۔

اس سے واضح ہے کہ اگر کوئی برائی قدیم سے کسی قوم میں رچی ہوئی ہو تو اس کے استیصال کی صورت ہی یہ ہے کہ اُس ایک برائی کے چند اہم اجزاء الگ الگ نکالکر تدریجی ممانعت کی جائے کہ ایسی صورتوں میں تدریج و تیسیر ہی ایک فطری روش ہے جو مخاطب کو آہستہ آہستہ مسئلہ کی آخری حد تک کھینچکر لاسکتی ہے۔ نماز کی وہ مہذب صورت جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکھر کر آج امت کے زیرِ عمل ہے کتنی تدریجی رفتار سے یہاں تک پہنچی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابتداءً نماز میں سلام و کلام، بات چیت، دیکھنا اور سننا، گردن پھیرنا اور منھ موڑنا چلنا پھرنا سب ہی کچھ جائز تھا اور اس کی موجودہ مکمل صورت قائم نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی کہ لوگوں میں ابتداءً اتنی مکمل شائستگی اور موزونیت ہی نہ تھی اس لئے نماز کی ہیئت میں آہستہ آہستہ یہ تمام تہذیبیں قائم کی گئیں کسی وقت دیکھنا اور منھ ادھر اُدھر کرنا ممنوع ہوا کسی وقت سلام و کلام کی ممانعت آگئی کسی وقت چلنے پھرنے کی ممانعت ہوئی کسی وقت خشوع و خضوع ضروری ٹھیرایا گیا گویا اس کے حصے حصے کرکے بتدریج اس میں شائستگی پیدا کی گئی جس کا حاصل وہی تربیت نکل آیا۔

تمکن و استقلال اور عدم استعجال

اور جبکہ شانِ تربیت کے ماتحت کسی کام کو آہستہ آہستہ چلانے اور بتدریج آگے بڑھاتے ہیں کافی اس امر کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ بالخصوص جبکہ راہِ تربیت میں لوگوں کو ان کے خلاف طبع آمادہ کرنے کے سبب قدم قدم پر مخاطبوں کی طرف سے مخالفت اور ایذا رسانی کے واقعات پیش آتے ہوں اور ایسی حالت میں انسان کی کمزوریوں کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ہمت ہار کر میدان چھوڑ بھاگے تو ایسے ہی اوقات میں تمکن پختگی اور استقلال ان کمزوریوں کا تدارک ہو سکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ایسے تدریجی امور میں جلد بازی عجلت پسندی اور تلون سم قاتل ثابت ہوتی ہے یہاں اگر کوئی چیز نتیجہ خیز ہو سکتی ہے تو وہ صرف تمکن و استقلال اور دوام و ثبات ہے کہ اس کے بغیر تربیت اور نتائج تربیت کا ظہور عادتاً ناممکن ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عکاظ و مجنہ کے بازاروں کے مواقع پر تبلیغ کے لئے تشریف لیجاتے یا حج کے موقعہ پر لوگوں کو پیغام الٰہی پہنچاتے اور کفار مکہ آپ کی راہ میں روڑا بن کر اٹکتے اور توہین کی سعی کرتے تو آپ کے پائے استقلال میں ان رکاوٹوں سے کوئی ادنیٰ فرق نہ آتا کہ یہی شانِ تربیت کی اساس ہے۔

صحبت و معیت

اور جبکہ تربیت کے لئے عجلت پسندی یا تلون سم قاتل ثابت ہوا اور تمکن و استقلال ضروری ٹھیرا جس کے لئے لامحالہ طویل وقفہ اور وقت کی ضرورت ہے تو اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مبلغ مخاطبوں کو اپنے ساتھ زمانہ طویل تک وابستہ اور کثیر الملازمت رکھے تاکہ ان میں تبلیغ و تربیت سے کوئی خاص رنگ قائم ہو جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسے شرعی اصطلاح میں صحبت و معیت کہتے ہیں، چنانچہ دینی رنگ کی اساس یہی صحبت و معیت ہے جس کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام اپنے وابستوں کو تربیت دیکر حدِ کمال تک پہنچاتے ہیں اور اسی لئے ان کے بلاواسطہ مستفیدوں کو صحابہ یا اصحاب یا حواری کہا گیا ہے جس کا مادہ یہی صحبت ہے اور جن میں بواسطۂ صحبت آثار نبوت سب سے زیادہ راسخ ہوتے ہیں اسی لئے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جو اصحاب آپ کے زیر تربیت ہیں اور بالخصوص فقراء مسلمین آپ ان کو صبح و شام اپنی صحبت میں رکھئے۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون	اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھئے جو صبح شام
ربھم بالغداۃ والعشی یریدون	اپنے رب کو بلاتے ہیں اور اس کا ارادہ کرتے ہیں اور آپ اپنی
وجہہ ولا تعد عیناک عنھم ترید	آنکھیں ان سے نہ ہٹائیے اس حال میں کہ آپ دنیوی
زینۃ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من	زندگی کی زینت کے خواہاں ہوں، اور آپ ان لوگوں کی
اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ	اطاعت نہ کیجئے جن کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل
وکان امرہ فرطا۔	کردیا ہے اور جو اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں اور جن کا معاملہ زیادتی کا ہے۔

بہرحال داعی الی اللہ کے اوصاف کے سلسلہ میں ۱۸ مقام ثابت ہوئے جن میں سے بعض مبلغ کی ذات کے لئے ضروری ہیں اور بعض اس کے فعل تبلیغ کے لئے یعنی علم و بصیرت، فہم و فراست، عقل سلیم، ضبط نفس، ذاتی تزکیہ، خشیت اللہ، عدم خشیۃ غیر اللہ، استغنا، صبر و تحمل، عفو و درگذر، شان ربیت و تزکیہ، تدریج و تنبیہ، تحدید پروگرام، تجزیۂ مسائل، تمکن و استقلال، عدم استعجال، اور صحبت و معیت جن کے بغیر ایک مبلغ کی تبلیغ بھی تام اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام عرض کردہ مباحث جو تبلیغ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں کتاب و سنت کے مختلف مواقع پر صریح عبارات میں منصوص طریقہ پر موجود ہیں لیکن جبکہ میرے فکر نارسا کے مطابق یہ جامع آیت ان سب کو کسی نہ کسی طرح اپنے نظم میں محیط تھی اس لئے اسی آیت کو اس رسالہ کا سرنامہ بنا کر ان مقاصد کا اس سے استنباط پیش کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر ان اصول پر صحیح معنی میں منظم تبلیغ شروع ہو جائے تو مسلمانوں کے تمام وہ دینی و دنیوی اور مذہبی و سیاسی مقاصد بے تکلف حاصل ہو سکتے ہیں جن کے لئے پلیٹ فارموں پر جدوجہد بہت کچھ جاری ہے مگر نتائج سے ہمکناری میسر نہیں آرہی ہے۔

قرنِ اول کی مقدس جماعتیں جس ملک میں بھی فاتحانہ اقدامات کے ساتھ پہنچیں انھوں نے تبلیغِ مذہب کو ہمیشہ آگے رکھا اور ملک سے دین کو برپا کیا کہ ان کے نزدیک فتوحاتِ ممالک کا منتہائے مقصود اشاعتِ مذہب اور تعلیم و تبلیغِ دین ہی تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ جس ملک کو بھی فتح کرتے اس میں اس تبلیغِ حق کی بدولت اسلامی نظام کے لئے فضا خود بخود ہموار ہوتی چلی جاتی تھی اور اسلامی دولت کے ساتھ اسلامی نظم بھی عام رعایا میں طبعی طور پر خود ہی قائم ہو جاتا تھا۔ اور اس طرح یہ حضرات ممالک و اقالیم ہی کے نہیں دلوں اور روحوں حتیٰ کہ عام تہذیبوں اور کلچروں کے بھی فاتح ہو جاتے تھے۔ یہ ناممکن تھا کہ دنیا کی زمینوں میں تو کاشت ان کی ہو اور خود ان کے دلوں کی زمینوں میں تخم ریزی وہاں کے رسم و رواج کی ہوتی رہے اور وہ نہ بدلیں بلکہ وہ اس تبلیغ اور پھر عملی تبلیغ کی بدولت اسلامی اصول کی تخم ریزی بھی عامۂ قلوب میں کر کے وہاں کی زمین و آسمان کو بدل ڈالتے تھے۔ اس فتحِ عام کا یہ ثمرہ نکلتا تھا کہ مفتوحہ ممالک کا نظام سیاسی بھی خود بخود اسلامی سانچوں میں ڈھلتا چلا جاتا تھا اور وہ سلطنت محض مسلمانوں کی نہیں بلکہ اسلام کی ہو جاتی تھی یعنی سلطنت کے بجائے خلافت کی جڑیں مضبوط ہو جاتی تھیں۔ قانونِ الٰہی کی عظمت و سطوت عام رعایا کے قلوب پر حکمراں ہو جاتی تھی۔ بندوں کی بندوں پر نہیں بلکہ بندوں پر خدا کی حکومت کا نقش جم جاتا تھا جس سے کوئی بندہ اپنے کو بندہ جانتے ہوئے انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے تمام مفتوحہ علاقے خلافت سے وابستہ ہو جاتے تھے اور ان خلفاءِ الٰہی کا دم بھرنے لگتے تھے۔ اخلاق فاضلہ کا دور دورہ ہو جاتا تھا۔ دلوں میں قومی یا وطنی عصبیت کے بجائے ہمہ گیر اخوت اور خلوص باہمی کے جذبات ابھر آتے تھے۔ جن کے ثمرات امن عام اور سکونِ تام کی صورت میں نمایاں ہوتے تھے۔ خود غرضیوں اور عیاریوں کے لئے جگہ نہیں رہتی تھی۔ بددیانتی اور کم حوصلگی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سر برآوردہ لوگوں سے ملکر ان کو اپنا ہم خیال بنائے اور پھر انہی کے زیر سایہ اور مشورہ سے تبلیغ کا آغاز کیا جائے۔

(۵) تبلیغ میں اختلافی مسائل ہرگز نہ چھیڑے جائیں صرف بنیادی امور پر لوگوں کو لگایا جائے مثلاً بے خبر ادان پڑھ مسلمانوں کو سب سے پہلے کلمۂ توحید اور اس کی حقیقت سے آشنا کیا جائے۔ پھر ان کو نماز پر آمادہ کیا جائے بار بار کلمہ پڑھوا کر اس کی حقیقت سنائی جائے نمازیں یاد کرا کر انھیں اپنی نگرانی میں ادا کرایا جائے۔ پھر ان کی معاشرت کا جائزہ لیکر بتدریج اس کی اصلاح کی جائے۔ شرکیہ رسوم مٹائی جائیں۔ اسلامی معاشرت میں مساوات، ہمدردی، ایثار اور تواضع خاص طور پر پیدا کرنیکی کوشش کی جائے پھر ساتھ ہی ان میں باہمی امر بالمعروف کا جذبہ اور سلیقہ پیدا کرنے پر پورا زور صرف کیا جائے۔

(۶) تبلیغی جماعتیں ہفتہ ہفتہ بھر کے وقفہ سے محلہ وار گشت کر کے سابقہ تبلیغ کے اثرات کا جائزہ لیں اور آئندہ تبلیغ کا پروا زڈالتی رہیں۔

(۷) کوشش کی جائے کہ محلوں کی مساجد میں اسی محلہ کے کسی با اثر اور با اقتدار شخص کو امام بنایا جائے کیونکہ جب وہ خود جمعہ و جماعات کا پابند ہوجائے گا تو غریب اور متوسط طبقہ خود بخود دین اور شعائر دین کی طرف جھک پڑے گا اور بہت جلد اصلاح ہو سکے گی۔ اور بآسانی مساجد علم و عمل سے پُر ہوجائیں گی اسی مصلحت سے اسلام نے امامت صلوٰۃ کا عہدہ امیر مسلمین کو سپرد کیا تھا کہ جب امراء اور خلفاء خود مساجد میں حاضر ہوں گے تو عام پبلک کے لئے یہ خود ایک مستقل ترغیب و تشویق اور عملی دعوت ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۸) تبلیغی جماعتیں اپنے قائم کردہ تبلیغی اثرات کی حفاظت اسی امام مسجد کے سپرد کردیں کہ اس کی نگرانی پورے اہلِ محلہ کو پابند اور پختہ بنا سکے گی۔

(۹) تبلیغ کے ماتحت ماحول ایسا پیدا کردیا جائے کہ اگر اہل محلہ میں کوئی باہمی نزاع پیدا ہو تو اس محلہ کے وہ ہی با اثر اور مستغنی افراد اس کا فیصلہ کریں جو مسجد کے امام بھی تھے اور اس محلہ کے تبلیغی اثرات کے محافظ بھی تھے۔ اس سے اہلِ محلہ میں ایک خاص نظم پیدا ہوجائے گا اور گویا ہر محلہ ایک چھوٹی سی ریاست ہوجائے گی جس کا امیر با اثر امام مسجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا جس کا ایک طرف تو محلہ والوں سے نگرانی کا تعلق ہے اور دوسری طرف تبلیغ کے سلسلہ سے اس کا تعلق اوپر کے تبلیغی مرکز سے بھی ہوگا۔ اس لئے نظم کا ایک سلسلہ خود بخود بلا کسی رسمی تشکیل کے قائم ہوجائے گا جو بے غل وغش بھی ہوگا اور اخلاق و دیانت پر مبنی بھی ہوگا۔ اسی کے ساتھ اگر اس محلہ کی زکوٰۃ و صدقات کا بیت المال بھی اسی مسجد کے ماتحت ہو جس کا خازن و نگراں وہی امام مسجد ہو جو محلہ میں سب سے زیادہ با اثر اور مستغنی ہے تو غریب اہلِ محلہ کی خبر گیری اور محلہ کے دوسرے کاموں کی تکمیل میں بھی ایک خاص نظم پیدا ہوجائیگا جس کو قائم کردینے کی ہمت بھی یہی مبلغینِ اسلام کریں گے اور پھر وقتاً فوقتاً اس کی نگرانی بھی خود ہی رکھیں گے۔ اس مسجدی نظم کا ایک بہترین ثمرہ یہ بھی نکلیگا کہ عوام و خواص عبادات اور معاملات دونوں میں متحد اور باہم مربوط ہوجائیں گے اور وہ طبقاتی تفریق جس نے امیر و غریب کو ایک دوسرے سے جدا ہی نہیں بلکہ نفور بنا دیا ہے روزانہ کے اس عبادتی اور معاملاتی اختلاط سے دور ہوجائیگی اور وہ محبت و یگانگت باہمی پھر لوٹ آئیگی جس سے مسلمان آج دور جا پڑے ہیں۔

(۱۰) پھر مبلغین انہی مساجد میں ائمہ مساجد کی نگرانی میں ایسے مختصر مکاتب قائم کردیں جو مسلمان بچوں کی ابتدائی مذہبی اور دینی معلومات کے کفیل ہوں۔ قرآن حکیم کے حفظ و ناظرہ کے ذمہ دار ہوں اور ان کی نمازوں کی نگرانی اور عام شوخی و شرارت کی اصلاح کی کفالت کریں۔ اس سے بچوں کا ابتدائی پرداز اسلامی اور دینی طور پڑ جائیگا جو بڑھاپے تک ان کے کام آئیگا اور پھر اگر وہ کسی معاشرتی تعلیم کے سلسلہ میں ڈالے بھی گئے تو ان پر برے اثرات غالب نہ آسکیں گے۔

پس پہلی دفعات سے بڑوں کی اصلاح ہوجائیگی اور اس آخری دفعہ سے بچوں کی جو آئندہ بڑے بننے والے ہیں۔ نیز اس نظم کے ماتحت غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کی صورتیں بھی با آسانی پیدا ہوسکیں گی جن کے لئے مسلمانوں کا یہ نظم اور اس نظم سے پیدا شدہ ماحول بہترین معین ثابت ہوگا۔

تلک عشرۃ کاملۃ

یہ دس دفعات ہیں جن پر عمل درآمد کرنے سے امید ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح بھی ہوگی جو مقصد دیانت ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ان میں نظم بھی پیدا ہوگا جو مقصد سیاست ہے اور اس طرح مسلمانوں کی دیانت و سیاست دونوں کا ایک اچھا پر دازیڑ جائیگا جس کی بڑی خوبی یہ ہوگی کہ اس سارے نظم کا رنگ خالص دینی اور اسلامی ہوگا اور اس سے اُن ناپاک رنگوں کے اُتر جانے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ جو آج کی دشمن دیانت اقوام نے مسلمانوں میں پیدا کر دیئے ہیں۔

افسوس ہے کہ آج ہم اپنی غلط فہمی اور غلط روی سے اپنی شوکت و قوت یا غلبہ و تسلط کو اعداد و شمار کے گوشتوں اور اقلیت و اکثریت کی انجمنوں میں تلاش کر رہے ہیں جلسوں کی آرائش اور تجویزوں کی نمائش میں ڈھونڈھ رہے ہیں۔ مظاہروں کی گرم بازاری اور نعروں کی شوراشوری میں سمجھ رہے ہیں اور جیسا سمجھا دیا گیا ہے سمجھتے چلے جا رہے ہیں لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے۔

مسلمانوں کی شوکت و قوت کا راز اعلاء شعائرِ دین اتحادِ عمل طبقاتی اعتماد اور توازن۔ امیر و غریب کا اختلاط معاملاتی مساوات اور اپنے مفاسد و نزاعات پر خود قابو پالینے میں مضمر ہے۔ جس کے لئے یہ دفعاتِ بالا پیش کی گئی ہیں۔ اگر مبلغینِ اسلام آیتِ دعوت کے بیان فرمودہ قوانین کے ماتحت ہر ہر قصبہ اور گاؤں میں یہ تبلیغی نظم قائم کر دیں جس میں دین و دنیا دونوں منظم ہو جاتی ہیں اور چند مواضع میں بھی اس کا نمونہ قائم ہو جائے تو گمان ہوتا ہے کہ جلد جلد حالات تبدیل ہونے لگیں گے۔ اور اہم خوشگوار نتائج کی توقع قائم ہو سکے گی۔

© rasailojaraid.com